وہ جو عشق تھا

نازیہ کنول نازی

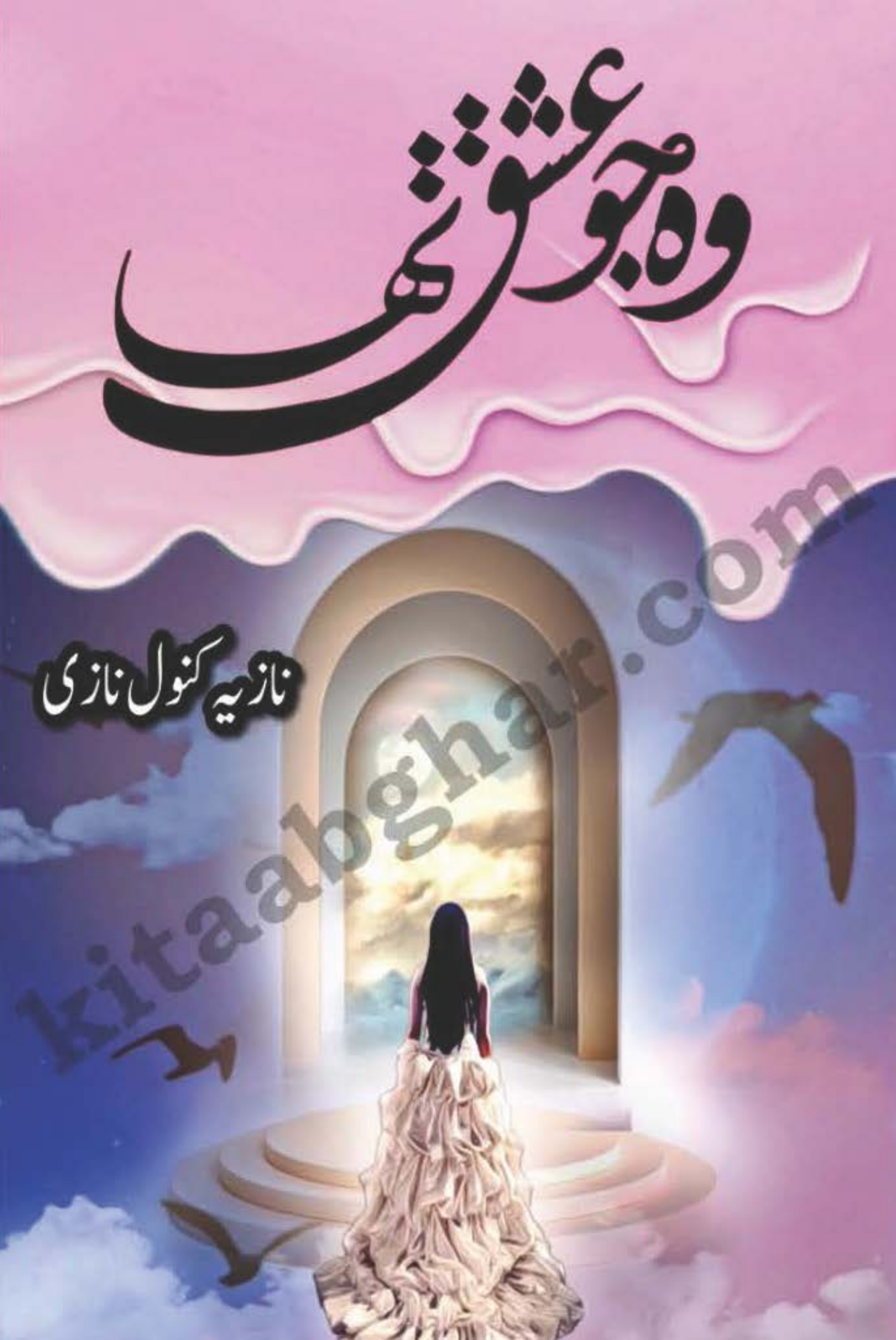

kitaabghar.com

وہ جو عشق تھا

نازیہ کنول نازی

نوٹ:۔

اس ناول کے جملہ حقوق بنامِ مصنفہ نازیہ کنول نازی محفوظ ہیں۔ مصنفہ نے یہ ناول خصوصی طور پر کتاب گھر (http://kitaabghar.com) کو آن لائن پبلشنگ کی اجازت دی ہے۔ لہٰذا اس تحریر کی کسی بھی اور آن لائن میگزین، ویب سائٹ، سیل فون ایپ یا انٹرنیٹ پر کسی بھی شکل میں کاپی کرنا خلافِ قانون ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے کو قانونی کارروائی کا سامنا اور بھاری جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔

قسط نمبر 1

اب اور کتنی دیر یہ دہشت، یہ ڈر، یہ خوف
گرد و غبار، عہد ستم اور کتنی دیر
شام آ رہی ہے، ڈوبتا سورج بتائے گا
تم اور کتنی دیر ہو، ہم اور کتنی دیر

کوئی بھی سحر نہ پھونکو مجھے بے جان رہنے دو
میں اک ویراں جزیرہ ہوں مجھے سنسان رہنے دو
مجھے معلوم ہے مرجھا گئے ہیں پھول پھر بھی تم
میرے کمرے میں بس یہ آخری گل دان رہنے دو
تھکن کیسے اتارو گے بھلا اونچی اڑانوں کی
سنو پر کاٹ ڈالو تم، نئی اڑان رہنے دو
ہزاروں امتحانوں کا کیا ہے سامنا ہنس کر
ہمارے واسطے بھی زیست کو آسان رہنے دو
میرے اپنوں نے گھونٹا ہے گلا میری امیدوں کا
میرے اپنو میرے بس میں بھی میری جان رہنے دو
بھلا کر کے بھلائی کی امیدیں ہم نے رکھی تھیں
عقل مندی نہ راس آئی، ہمیں نادان رہنے دو!

یہ مانا خشک پتا ہوں مگر اے محسنو پھر بھی
نہ یوں پاؤں تلے روندو، کوئی پہچان رہنے دو
کسی کو وقت آخر کاش ہم بھی اپنا کہہ پاتے
یہی خواہش تھی اک اپنی یہی ارمان رہنے دو!

(شاعرہ: نازیہ کنول نازی)

''تڑاخ.....!''

بڑی بڑی قلعہ نما دیواروں والی قدیم لال حویلی کے پچھواڑے میں اس وقت بندوق کی نال سے نکلنے والی، وہ محض ایک گولی نہیں قیامت تھی جو اس قلعہ نما حویلی کے اندر قید سالوں سے زندگی کا بوجھ ڈھونے والی عورتوں کے دلوں پر قہر کی صورت بپا کر دی گئی تھی۔

بڑے ہال کی ستونوں کے پیچھے چھپی بے آواز روتی عورتوں کی آہ وزاریاں گویا آسمان کے ستونوں سے ٹکرانے لگی تھیں اور وہ..... سبک رو ہوا سی خوب صورت لڑکی جو اپنی موت کے آخری لمحے تک اپنے گناہ پر شرمندہ یا خوف زدہ نہیں تھی، دماغ میں لگنے والی فقط ایک ہی گولی نے اسے اوندھے منہ کسی کچے مکان کی کمزور دیوار کی مانند زمین پر گرانے میں ایک لمحہ نہیں لگایا تھا۔ قلعہ نما حویلی کے پچھواڑے میں اس وقت جب رات اپنا پچھلا پہر سست روی سے مکمل کر رہی تھی، ایک بے حد خوب صورت، انمول زندگی کا روشن باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا تھا۔

ہال کمرے کے بڑے سے ستون کے ساتھ لگی کھڑی محراب عبدالکریم کو لگا بس زندگی صرف یہیں تک تھی۔ آگے جو وقت اسے دیکھنا تھا اس میں تو محض اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ گھٹا ٹوپ گھپ اندھیرا.....!

یکلخت دماغ برف ہوا اور اگلے ہی لمحے وہ لہرا کر زمین پر گر گئی تھی۔ عورتوں کے بے آواز آنسو مزید شدت اختیار کر گئے تھے۔

گھٹی گھٹی سسکیوں اور آہ وزاریوں کی آواز بلند ہوئی تھی مگر اس قلعہ نما قدیم حویلی کی اونچی دیواروں کے اندر اس بے بس مخلوق پر حاکم ان کے بے حس روایت پسند مردوں کو ان آہ وزاریوں اور

آنسوؤں کی مطلق پروا نہیں تھی۔

☆.....☆.....☆

زمین پر اوندھے منہ گرا نایاب عبدالکریم کا وجود چند لمحے خاک پر تڑپنے کے بعد بالآخر ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

سردار عبدالرحیم کی بندوق کی نال دھواں اگلتی بالآخر ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی تھی۔ اس حویلی کی روایت تھی بدکردار عورتوں کو گولی مار کر مٹی میں سلا دینا اور یہ روایت پوری ہو گئی تھی، ایک اور زندگی ہار گئی تھی۔ نایاب عبدالکریم ہار گئی تھی۔ نایاب عبدالکریم جو بچپن سے اپنی ذہانت، خوب صورتی اور اچھی عادتوں کی بدولت ان کے دل کے ہمیشہ قریب رہی تھی، بالآخر انہی کی بندوق کی گولی سے قبر کے گھپ اندھیروں میں اترنے والی تھی۔ وہ جو اسے اس کی پیدائش کے وقت اپنی بانہوں میں لائے تھے انہی نے اس سے اس کی زندگی چھین لی تھی۔

قیامت بھلا اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی تھی؟ زارون جو ایک طرف کھڑا یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا، سردار عبدالرحیم کو شکستہ دیکھ کر فوراً ان کے قریب آیا تھا۔

''آپ ٹھیک ہیں بابا سائیں؟'' اپنے مضبوط توانا بازو ان کے دونوں کندھوں کے گرد پھیلاتے ہوئے اس نے گویا انہیں سہارا دیا تھا۔ جواب میں ان کا سر آہستہ سے نفی میں ہلا تھا۔

''نہیں.....اب کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتا میں۔'' رونا ان کی شان کے خلاف تھا ورنہ شاید وہ رو پڑتے۔ زارون کی گرفت ان کے کندھوں پر مضبوط ہو گئی تھی۔

''وہ بدکردار تھی بابا.....ضدی اور باغی تھی، آپ نے کچھ غلط نہیں کیا۔''

''یہی تو دکھ ہے، کاش وہ ایسا نہ کرتی، میں روز قیامت اپنے پیارے مرحوم بھائی کو کیا منہ دکھاؤں گا۔'' کبھی نہ کمزور پڑنے والا سردار اس لمحے جذباتی ہو رہا تھا۔ زارون انہیں کندھوں سے تھامے حویلی کے پچھواڑے سے ان کے شاندار کمرے میں لے آیا تھا۔

''فی الحال آپ کو آرام کی ضرورت ہے، آپ آرام کریں، میں تب تک اس کی لاش کو ٹھکانے

لگانے کا انتظام کرتا ہوں۔"

"نہیں.....اس کا نماز جنازہ ہوگا۔"

"بابا سائیں.....! یہ کیسے ممکن ہے، آج تک اس حویلی میں کاروکاری ہوئی کسی عورت کا نماز جنازہ نہیں ہوا۔"

"نایاب عبدالکریم کا ہوگا..... یہ میرا حکم ہے۔" ان کے چہرے پر جلال آ گیا تھا۔ زارون عبدالرحیم کو مجبوراً سر جھکانا پڑا تھا۔

"ٹھیک ہے بابا سائیں.....جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

"لاش کو زنان خانے میں بھجوادو، جس نے جو پڑھنا ہے پڑھ لے، صبح فجر کے بعد جنازے کا اعلان کروادینا۔"

"جی بہتر بابا سائیں۔" دل میں غصہ دبائے بظاہر فرماں برداری سے کہتا وہ ان کے کمرے سے نکل گیا تھا۔

شکست ادھوری رہ گئی تھی۔ وہ اسے عبرتناک موت کے بعد، گمنام قبر دینا چاہتا تھا مگر ایسا نہیں ہوا تھا، آسمان پر بیٹھے سب سے بڑے منصوبہ ساز نے اس کے سارے ارادے مٹی کر دیے تھے۔

☆.....☆.....☆

حویلی کے بڑے سے صحن میں سفید کفن میں لپٹا اس کا چہرہ پرنور تھا، وہ مسکرا رہی تھی۔ اپنی ناگہانی اندوہناک موت پر۔

محراب جس کا دماغ اب بھی سن تھا وہ آنکھیں پھاڑے بے حد حیرانی سے اس کے صبیح پرنور چہرے پر بکھرا سکون اور ان شنگرفی لبوں پر کھیلتی مسکراہٹ کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا واقعی موت کسی انسان کو اتنا آسودہ کر دیتی ہے جتنا نایاب عبدالکریم کو کر دیا تھا؟"

اس کا دل چاہا وہ اس کے ہونٹوں اور گالوں کو اپنے ہاتھ کی انگلیوں کی نرم پوروں سے چھوئے اور یہ دیکھے کہ کیا وہ واقعی مر گئی تھی یا زندہ تھی؟

بیگم عبدالکریم ایک کونے میں گھٹنوں پر سر رکھے یوں بیٹھی تھیں جیسے اب دنیا میں ان کا کچھ رہا بھی نہ ہو۔

وہاں اس بڑے سے صحن میں کون ان کی لاڈلی بیٹی کے لیے رو رہا تھا، کون آہ وزاری کر رہا تھا، انہیں مطلق خبر نہیں تھی۔

اندر اپنے شاندار کمرے میں بیٹھے سردار عبدالرحیم کا حال سب سے الگ تھا۔ پچھلی رات کے آخری پہر سے اس وقت تک وہ ایک پل بھی نہیں سوئے تھے۔ دھیان کے دریچوں سے بار بار ایک چھوٹی سی چار پانچ سالہ خوب صورت بچی دو پونیاں بنائے مسکراتی ہوئی انہیں گویا ذبح کر رہی تھی۔

آج سے پہلے سالوں سے بہت سی عورتیں، بدکرداری کے الزام میں، اس حویلی کے جابر مردوں کی گولی کا شکار ہوئی تھیں مگر کسی کے لیے بھی دل میں ویسا درد نہیں اٹھا تھا جو درد نایاب عبدالکریم کی موت نے دل میں گاڑ کر رکھ دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

بہت دنوں کے بعد اس روز حویلی کی اونچی دیواروں سے دھوپ اندر صحن تک آئی تھی۔ بڑے ہال کی سیڑھیوں پر پلر سے ٹیک لگائے بیٹھی محراب عبدالکریم، نچڑے ہوئے سفید چہرے کے ساتھ بالکل سن بیٹھی تھی، اس کی نظر کے بالکل سامنے صحن میں بے قراری سے پھدکتی چڑیا تھی جس کو وہ مسلسل دیکھ رہی تھی جب وہ چپکے سے اس کے پہلو میں آ کر بیٹھ گیا۔

''کیسی ہو..... کیا بہن یاد آ رہی ہے؟'' اس کی آواز محراب عبدالکریم کے لیے سانپ کی پھنکار سے کم نہیں تھی۔ وہ چونکی اور بے ساختہ بدک کر دور ہوئی تھی۔

''دور رہو مجھ سے..... تم جیسا انسانی شکل میں خونخوار بھیڑیا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔''

''اچھا.....؟'' لبوں پر دلفریب مسکراہٹ سجاتے ہوئے وہ کھڑا ہوا۔

''یعنی تم مان رہی ہو کہ میں انمول ہوں۔''

''تم جانور ہو جانور.....''

''ہاہاہا..... کیا خیال ہے پھر اپنی زوجیت میں نہ لے لوں تمہیں، ذرا تم بھی دیکھ لو، ایک جانور کے ساتھ ایک ہی کمرے میں، ایک ہی بستر پر زندگی کیسے بسر ہو سکتی ہے۔'' مسکرا کر کہتے ہوئے اس لمحے وہ اسے زہر سے بھی برا لگ رہا تھا۔ تب ہی وہ پھنکاری تھی۔

''سوچنا بھی مت کہ کبھی میں تم جیسے درندے کے ساتھ ایک شام بھی بسر کروں گی۔''

''سوچ تو لیا ہے..... اب کیا کروں؟'' اس کے لبوں پر ہنوز دل جلانے والی مسکراہٹ تھی۔

محراب عبدالکریم کی آنکھیں ضبط کی ہزار کوششوں کے باوجود بھر آئیں۔

''اگر سوچ لیا ہے تو دل سے نکال دو کیونکہ میں نایاب عبدالکریم نہیں ہوں جو تم جیسے بدارادوں کی بھینٹ چڑھ جائے گی، میرے ساتھ کچھ بھی برا کرنے سے پہلے سوچ لینا، محراب عبدالکریم اس حویلی کے کسی مرد کی گولی کا شکار نہیں ہوگی۔''

''اچھا..... کیا کرو گی؟'' وہ کہاں اس سے مرعوب ہونے والا تھا۔ محراب نے فوراً آنسو پونچھ لیے تھے۔

''اس حویلی کے بے ضمیر سفاک مردوں کے کسی بے رحم فیصلے کی بھینٹ چڑھنے سے پہلے ہی میں اپنی جان خود لے لوں گی۔''

''اوہ..... یعنی خودکشی کرو گی، اپنے مذہب کے خلاف جا کر۔'' ایک مرتبہ پھر وہ مسکرایا۔

محراب کی آنکھوں میں شرارے دوڑ گئے، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سامنے کھڑے اس شخص کو کچا چبا جاتی، تب ہی دانت پیستے ہوئے بولی۔

''تم مذہب کی بات کر رہے ہو..... جس کا اپنا ہر عمل اپنے مذہب کے خلاف ہے۔''

''چلو دیکھتے ہیں پھر یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔'' اس کی آنکھوں سے ہنوز شرارت ٹپک رہی تھی۔

محراب نفرت سے تھوکتی واپس پلٹ گئی تھی۔

اندر اپنے کمرے کے بیڈ پر اوندھے منہ گرتے ہی کب سے رکے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا تھا۔ تکیے کو بانہوں میں بھینچ کر وہ اتنی شدت سے روئی کہ باہر وسیع برآمدے میں نماز پڑھتی مریم بیگم

سلام پھیر کر سیدھی اس کے پاس آئی تھیں۔

''محراب!'' بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ کر انہوں نے اس کی پشت سہلائی جب وہ فوراً آنسو صاف کرتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی۔

''جی امی.....''

''کیا بات ہے بیٹے، اس طرح کیوں رو رہی ہو؟'' ان کے لہجے میں فکر تھی۔

محراب سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

''کچھ نہیں امی.....بس ویسے ہی نایاب یاد آ رہی تھی۔''

اس کے پاس رونے کا جواز تھا مگر اس ماں کو جھوٹ سے مطمئن کرنا آسان نہیں تھا، تب ہی وہ بولیں۔

''تو اب تم نے جھوٹ بولنا بھی سیکھ لیا ہے محراب؟''

''جھوٹ نہیں بول رہی امی، بس اب اس حویلی میں دل نہیں لگتا، میرا دم گھٹتا ہے، جی چاہتا ہے یہاں سے کہیں دور بھاگ جاؤں۔''

''بھاگ جانا مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔''

''تو کیا کروں.....پھر نایاب کی طرح اسی چار دیواری میں کسی گولی کا انتظار کروں؟''

''اللہ نہ کرے محراب.....کیوں ایسی باتیں کر رہی ہو؟'' وہ دہل اٹھیں۔ محراب نے گال رگڑ لیے۔

''ہم اس حویلی میں خوش نہیں رہ سکتے امی، پلیز نانا کے گوٹھ چلیں۔''

''ٹھیک ہے، میں کچھ سوچتی ہوں مگر.....فی الحال تم خود کو سنبھالو، اللہ نے چاہا تو سب اچھا ہوگا۔''

''جی امی.....''

''چلو اٹھو اب نماز پڑھ لو، وقت نکلا جا رہا ہے۔'' خود شکستہ دل ہونے کے باوجود وہ اسے تسلی دے رہی تھیں۔

محراب اثبات میں سر ہلاتی وضو کے لیے اٹھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

سرخ اینٹوں سے قدیم طرز پر تعمیر اس قلعہ نما لال حویلی میں قیام پاکستان سے پہلے مقیم سردار عبدالرؤف کا آس پاس کے سارے علاقے پر قبضہ تھا۔ وہ ایک جابر مگر انصاف پسند حاکم تھے۔

اپنے خاندان اور علاقے کے لیے ان کے بنائے گئے قوانین میں کہیں کسی ردوبدل یا نرمی کی گنجائش نہیں تھی۔

اس حویلی سمیت علاقے کی کسی عورت کو سوائے قرآن پاک کے دنیاوی تعلیم کی اجازت نہیں تھی۔ اس حویلی یا علاقے کی کسی عورت کی بدکرداری ثابت ہو جانے کے بعد اسے وہیں اس علاقے میں گھر کے سربراہ کے ہاتھوں موت کی تاریک وادی میں اتار دیئے جانا سالوں کی روایت تھی جو تا حال چلی آ رہی تھی۔ دینی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود وہ لوگ اپنے فیصلوں میں دین کے احکامات کو نظر انداز کر رہے تھے مگر کسی میں مذمت کرنے کی جرأت نہیں تھی۔ سردار عبدالرؤف جیسے سخت دل سردار کے سامنے کھڑے ہو کر ان کے بنائے گئے کسی قانون پر سوال اٹھانا گویا موت کے مترادف تھا۔

سردار عبدالرؤف کا گھرانا تین بیٹوں پر مشتمل تھا، ان کے بڑے بیٹے سردار عبدالرحیم انہی کی طرح، انصاف پسند اور قدیم روایات پر سختی سے عمل کرنے والے سردار تھے۔ سردار عبدالرؤف نے ان کی شادی، اپنی بیوی کی زندگی میں ہی ان کی بھانجی سے طے کر دی تھی، جس سے ان کے یکے بعد دیگرے تین بیٹے پیدا ہوئے۔

سردار عبدالرحیم کے بعد سردار عبدالکریم کا نمبر تھا جو روایت پسندی میں اپنے باپ اور بھائی سے قطعی مختلف تھے، شاید اسی لیے قدرت نے انہیں اوپر تلے دو بیٹیوں سے نوازا، بعد ازاں کسی پیچیدگی کے باعث ان کی بیوی ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو گئی تھیں۔ سردار عبدالکریم کے بعد سردار عبداللطیف اس حویلی میں سردار عبدالرؤف کے آخری سپوت تھے۔ جن کی اولاد میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہی تھے۔ سردار عبدالرحیم کے بڑے دونوں بیٹوں کی شادی، سردار عبدالرؤف کی زندگی میں ہی ہو گئی تھی، تاہم اس شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد انہوں نے اپنی موت سے فقط چند دن پہلے ان کے آخری سپوت زارون عبدالرحیم کا رشتہ بھی سردار عبدالکریم کی لاڈلی محبوب بیٹی نایاب عبدالکریم کے ساتھ طے کر دیا تھا۔

نایاب نا صرف اپنے باپ بلکہ تایا اور دادا کی بھی بے حد لاڈلی تھی تب ہی بچپن سے ہی اس کی ہر خواہش بن کہے پوری کی جاتی تھی۔ محراب اس سے پورے تین سال چھوٹی تھی مگر اس کے باوجود دونوں بہنوں میں مثالی دوستی اور پیار تھا۔ سردار عبداللطیف کا بیٹا عباد ایک محبت کرنے والا حساس نوجوان تھا اسی لیے محراب اسے پسند کرتی تھی اور نایاب یہ بات جانتی تھی مگر اس سے پہلے کہ اس کے خواب پورے ہوتے لال حویلی بھیانک طوفان کی نذر ہوگئی۔ موم گڑیا جیسی وہ پیاری سی لڑکی جس میں اس حویلی کے حاکم مردوں کی جان تھی، بے قصور اس علاقے کے اندھے قانون کی بھینٹ چڑھ کر، اسی حویلی کے حاکم مردوں کے ہاتھوں زندگی کی بازی ہار گئی تھی۔

نایاب عبدالکریم کی ناگہانی موت کے بعد بیگم عبدالکریم تو زندہ لاش بن کر رہ گئی تھیں۔ محراب خود بھی پتھر کا مجسمہ بن کر رہ گئی تھی۔ زارون عبدالرحیم جو پہلے نایاب عبدالکریم کے لیے دردسر تھا اب وہ بلا اس کی ناگہانی موت کے بعد محراب عبدالکریم کے گلے آپڑی تھی۔

☆.....☆.....☆

لال حویلی میں اگلے بہت سے دن خاموشی سے بسر ہوگئے تھے جب اس رات کھانے کی میز پر بیگم عبدالرحیم نے گویا دھماکہ کر دیا تھا۔ وسیع دستر خوان پر سب ہی افراد موجود تھے جب خاموشی سے کھانے کے دوران اپنے شوہر کے اشارے پر انہوں نے بیگم عبدالکریم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی مریم۔'' وہ جو روٹی لینے کے لیے ہاٹ پاٹ کھول رہی تھیں ان کے یوں اچانک خود کو مخاطب کرنے پر چونکی تھیں۔

''خیریت آپا؟''

''ہوں.....سب خیریت ہے۔''

''جی کہیں ایسی کیا بات ہے جو سب کی موجودگی میں ضروری ہے۔''

''بات ہی ایسی ہے سب کے سامنے ہی کھولی جائے تو بہتر ہے۔ تم جانتی ہو ابا مرحوم نے زارون اور نایاب بیٹی کا رشتہ دل سے طے کیا تھا، اب نایاب تو اس دنیا میں نہیں رہی تو عبدالرحیم سائیں

نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم زارون اور محراب کا نکاح کر دیتے ہیں، بیٹی کے لیے تمہاری پریشانی بھی ختم ہو جائے گی اور ابا مرحوم کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔"

وہ وہی بول رہی تھیں جو ان سے کہا گیا تھا مگر مریم بیگم کا ہاتھ وہیں فریز ہو گیا تھا۔ زارون کی عادات، اس کے مشاغل اور فطرت سے وہ اچھی طرح آگاہ تھیں پھر کیسے ایک کے بعد دوسری بیٹی کا مستقبل داؤ پر لگا دیتیں، تب ہی ہمت کر کے سر جھکاتے ہوئے بولیں۔

"آپ کی خواہش سر آنکھوں پر بھابی جان مگر میں معافی چاہتی ہوں، میرے اور محراب کے دل میں ابھی نایاب کا غم تازہ ہے، میں ابھی محراب کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔"

محراب کی آنکھوں سے ان کے لفظوں پر دو موتی ٹوٹ کر گرے تھے جبکہ عباد تو کب کا وہاں سے اٹھ کر جا چکا تھا۔

اب تک خاموشی سے کھانا کھاتے زارون عبدالرحیم نے کن اکھیوں سے اسے کھانا چھوڑ کر جاتے ہوئے دیکھا اور مسکرایا تھا۔ محبت کرنے والے مخلص اور حساس دلوں کے ساتھ کھیلنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ بیگم عبدالرحیم کو شاید یوں صاف انکار کی توقع نہیں تھی تب ہی گڑبڑا کر شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"ہمیں جلدی نہیں ہے مریم..... تم اچھی طرح سوچ و بچار کر کے تسلی سے جواب دے دینا، اصل میں یہ میرے بیٹے کی بھی خواہش ہے جبکہ سردار صاحب بھی یہی چاہتے ہیں کہ سردار عبدالکریم سائیں کے بعد وہ اپنی یتیم بھتیجی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بھابی جان مگر ابھی یہ بات مجھے مناسب نہیں لگ رہی، مجھے تھوڑا وقت دیں، میں سوچ کر جواب دوں گی۔"

"ٹھیک ہے..... ہمیں کوئی اعتراض نہیں مگر ایک بات کان کھول کر سن لو مریم! محراب ہماری بیٹی، ہمارا خون ہے۔ اس کے مستقبل کا فیصلہ ہم کریں گے، تمہاری رضامندی صرف اس لیے ضروری ہے کیونکہ تم ماں ہو، بچی کو پالا ہے تم نے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اس حویلی کی روایات یا ابا مرحوم کی

خواہش کے خلاف جانے کا تصور بھی کرو، سمجھ گئی ہو ناں۔"

سردار عبدالرحیم صاحب نے پہلی بار ان دونوں خواتین کے درمیان بات چیت میں مداخلت کی تھی۔ محراب ان کے سخت لب و لہجے پر نفرت سے سامنے بیٹھے زارون کو دیکھتی دسترخوان سے اٹھ گئی تھی۔ اس کے یوں اٹھ کر چلے جانے پر سردار عبدالرحیم اور سردار عبداللطیف دونوں کی آنکھوں میں سرخی اتری تھی مگر وہ ضبط کر گئے تھے۔ مریم بیگم کا جھکا سر، جھکا ہی رہ گیا تھا۔ بہت کچھ کہنے کی خواہش اندر ہی کہیں سر پٹخ کر رہ گئی تھی۔

وہ ماں تھیں مگر ایک ایسی ماں جسے شوہر کا مضبوط ستون میسر نہیں تھا، جس چار دیواری میں وہ مقید تھیں وہاں انہیں اپنا ہر معاملہ رب العزت کے سپرد کر کے خود صبر کرنا تھا اور وہ یہی کر رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب اسے اپنے کندھوں پر کسی کی مضبوط گرفت کا احساس ہوا تھا۔ پٹ سے آنکھیں کھلیں تو نظر کے سامنے عباد عبداللطیف کو دیکھ کر وہ حیران ہی تو رہ گئی تھی۔ بھلا رات کے اس پہر وہ اس کے کمرے میں کیا کر رہا تھا؟

عباد عبداللطیف نے اس کی حیران آنکھوں کا سوال پڑھ لیا تھا، تب ہی سرگوشی میں بولا۔

"بات کرنی ہے تم سے، میرے پیچھے آؤ۔" وہ از حد سنجیدہ تھا۔

محراب دھڑکتے دل کے ساتھ دوپٹا سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ عباد کے تیزی سے چلتے قدم حویلی کے پچھواڑے میں طویل برآمدے کے کنارے پر جا رکے تھے۔

"یہاں بیٹھو..... کچھ پوچھنا ہے تم سے۔" محراب دیکھ سکتی تھی اس کی غلافی آنکھوں میں عجیب سا حزن تھا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ طویل برآمدے کی سیڑھیوں پر ٹک گئی تھی۔

"کچھ بھی پوچھنے کے لیے رات کا یہ پہر مناسب نہیں ہے۔"

"جانتا ہوں مگر صبح تک انتظار نہیں کر سکتا تھا۔"

اس سے کچھ فاصلہ رکھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے وضاحت دی تو محراب خاموش رہی تھی۔

''نایاب بے قصور تھی؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا تھا جب وہ سر جھکاتے ہوئے بولی۔

''ہاں.....''

''کوئی ثبوت.....؟''

''کسی ثبوت کی اب کوئی اہمیت نہیں، وہ جا چکی ہے دنیا سے۔''

''تم یہاں تھیں ناں، تمہیں پتا تھا ناں سب؟ ایک فون نہیں کر سکیں مجھے؟ میں یہاں ہوتا تو یہ انہونی کبھی نہ ہوتی۔''

''کیا کرتے آپ..... بڑے تایا کے فیصلے سے ٹکراتے؟''

''ہاں..... میں مرد تھا ٹکرا سکتا تھا، غلط فیصلے سے باز رکھ سکتا تھا انہیں۔'' وہ جذباتی ہو رہا تھا۔ محراب کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

''ممکن ہے ایسا ہوتا مگر میرے اور نایاب کے پاس کوئی مہلت ہی نہیں تھی رات کو فیصلہ سنایا گیا اور صبح اذان سے پہلے گولی مار دی گئی۔''

''تم نے تایا ابو کو سچ بتانے کی کوشش کی؟''

''نایاب نے کی تھی مگر زارون نے اس کی پیشی نہیں جانے دی۔''

''زارون کو کیا مسئلہ تھا اس سے؟''

''ایک راز ہاتھ لگ گیا تھا اس کا نایاب کے ہاتھ، نایاب نے اسے دھمکی دی تھی کہ وہ اسے حویلی میں ضرور بے نقاب کرے گی، اسی لیے اس نے اس کی موت پلان کر لی۔''

''ہوں..... کیا تمہیں پتا ہے اس کا راز کیا تھا؟''

''ہوں..... بتایا تھا نایاب نے، کسی لڑکی کے ساتھ حالت غیر میں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا اس نے اسے.....''

''کیا..... وہ جانتا ہے کہ تم اس راز سے آگاہ ہو؟''

''ہاں.....''

''پھر بھی شادی کرنا چاہتا ہے وہ تم سے؟''

''ہاں..... کیونکہ اس کی شروع سے مجھ پر نظر ہے، نایاب کی موت بھی اسی لیے پلان کی اس نے تاکہ ایک تو حویلی کے مردوں کی نظر میں اس کا امیج خراب نہ ہو، دوسرا نایاب اس کے راستے کی رکاوٹ نہ بنے۔''

''تم کیا چاہتی ہو؟''

''میری چاہت کسی کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی، عورت ذات جو ٹھہری میں۔'' وہ اداس اور مایوس تھی۔ عباد گہری سانس لے کر رہ گیا۔

''میرے لیے تمہاری مرضی جاننا ہر مسئلے سے زیادہ اہم ہے محراب.....'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔

محراب نے آنسو پونچھ لیے تھے۔

''اپنی بہن کے قاتل سے شدید نفرت ہے مجھے۔''

''اور میرے بارے میں کیا رائے ہے تمہاری؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ محراب کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں، اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ جس کی چاہت خون بن کر رگوں میں دوڑ رہی ہے وہ خود سے کبھی اس سے یہ سوال بھی کر سکتا ہے۔ تب ہی پلکیں لرزیں اور چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔

''مجھے نہیں پتا۔'' اس کا چہرہ اس کے اندر کے حال کی چغلی کھا رہا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔

''چلو ٹھیک ہے پھر میں کرتا ہوں اس زارون عبدالرحیم کا کوئی بندوبست.....''

اس بار محراب نے سر اٹھا کر صرف ایک نظر اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر واپس دوڑ گئی تھی۔ عباد عبداللطیف کے لیے اس کی مسکراہٹ کسی انمول خزانے سے کم نہیں تھی، تب ہی اسے خوش دیکھ کر وہ بھی مطمئن سا اپنے کمرے کی طرف پلٹ گیا تھا۔ زارون جو اپنی گرل فرینڈ سے موبائل پر بات کرنے کے لیے اس طرف آیا تھا ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر اس کے اندر گویا بھانبھڑ جل اٹھے تھے۔ محراب

کی مسکراہٹ پر عباد کے اطمینان نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ اسے نفرت سے رد کر کے وہ کسی اور کے خواب دیکھ رہی تھی اور یہی تو اس سے برداشت نہیں ہوا تھا۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتا تھا مگر اپنی ہار نہیں، تب ہی وہیں کھڑے کھڑے اس کے دماغ نے تیزی سے آگے کی پلاننگ شروع کر دی تھی۔ نایاب عبدالکریم کے بعد اب اس کا اگلا ہدف محراب عبدالکریم تھی۔

☆.....☆.....☆

سردار عبدالرحیم اس وقت کسی جرگے سے فارغ ہو کر حویلی واپس لوٹے تھے جب وہ ان کے کمرے میں چلا آیا تھا۔ بیگم عبدالرحیم بھی اس وقت وہیں موجود تھیں، وہ صوفے پر باپ کے برابر میں بیٹھ گیا تھا۔

''السلام علیکم بابا سائیں..... کیسا رہا آج کا جرگہ؟'' سردار عبدالرحیم نے محبت سے اپنے جواں سالہ بیٹے کو دیکھا پھر اپنا بازو اس کے مضبوط کندھوں کے گرد پھیلاتے ہوئے بولے۔

''رب سائیں کا کرم ہے..... سب کچھ صلح صفائی سے طے ہو گیا۔ سردار رئیس کے بیٹے کا گناہ پورے دو لاکھ میں جمال کمی کے بیٹے نے اپنے سر لے لیا ہے، اب پھانسی بھی چڑھ گیا تو خیر ہے۔ پیچھے گھر والے تو کچھ عرصہ پیٹ بھر کر کھائیں اور سوئیں گے۔''

کسی کی مجبوری اور بھوک کو پیسوں میں خرید کر وہ آسودہ تھے۔ زارون سر ہلا کر رہ گیا۔

''گڈ..... سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی۔''

''آہو..... الیکشن سر پر ہے، اب بیٹے کی ایک ''غلطی'' کی وجہ سے سردار رئیس سیٹ تو نہیں ہار سکتا ناں۔''

''یہ تو ہے..... ویسے بھی یہ کمی کمین، غریب مزارعے اسی لیے تو وڈیروں کے نمک پر پلتے ہیں کہ ضرورت پڑنے پر کام آسکیں۔ خیر چھوڑیں، مجھے آپ سے کچھ اور بات کرنی تھی۔'' بنا وقت ضائع کیے وہ اپنے مطلب کی بات پر آیا۔ سردار عبدالرحیم اٹھتے ہوئے دوبارہ بیٹھ گئے تھے۔

''کہو کیا بات ہے؟''

''محراب کے بارے میں بات کرنی تھی بابا سائیں.....''

''محراب کے بارے میں.....خیر تو ہے؟'' وہ چونکے، ساتھ ہی بیگم عبدالرحیم بھی سلام پھیر کر اس کی طرف متوجہ ہوئیں، تب ہی وہ بولا۔

''جی بابا سب خیر ہے.....بس کل کھانے کی میز پر جس طرح سے مریم چچی نے امی جان سے معذرت کی، بہت سوچتا رہا ہوں میں اسے۔ دیکھیں بابا، چچی اور محراب شاید ابھی نایاب کو بھول نہیں پائے ہیں، پھر چچا جان بھی حیات نہیں اور شاید نایاب والے واقعے کے بعد محراب مجھ سے شادی پر خوش بھی نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا یہ رشتہ زبردستی قائم ہو یا انہیں لگے کہ ہم ان کے ساتھ کوئی زیادتی کر رہے ہیں اس لیے میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ مریم چچی یا محراب پر اس رشتے کے لیے کوئی دباؤ نہیں ڈالیں گے پلیز.....'' وہ سردار عبدالرحیم کا لاڈلا تھا اور انہی باتوں کی وجہ سے تھا۔ اب بھی اس کے الفاظ پر وہ مسکرا دیے تھے۔

''شاباش میرے شیر.....مجھے فخر ہے کہ تم میری بیٹے ہو۔'' بیگم عبدالرحیم کے چہرے پر بھی فخریہ مسکراہٹ در آئی تھی۔

''زبردستی بنائے جانے والے رشتے کبھی کامیاب بھی نہیں ہوتے بیٹے.....تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے، جہاں تک میرا خیال ہے مریم عباد بیٹے کو اپنا داماد بنانا چاہتی ہے۔'' وہ کچھ سوچ کر بولے۔

''کوئی نہیں، عباد بھی اپنا ہی خون ہے۔ میں کرتا ہوں عبداللطیف سے بات۔'' سردار عبدالرحیم کے چہرے پر اطمینان تھا۔

زارون اثبات میں سر ہلاتا وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بیگم عبدالرحیم نے سردار عبدالرحیم سے کہا۔

''دیکھ لیں سردار صاحب.....ہمارے زارون کا دل کتنا بڑا ہے۔''

''ہوں.....یہ تو ہے۔'' وہ خود بھی اپنے بیٹے کے اس فیصلے سے متاثر ہوئے تھے۔

یہ اسی شام کی بات تھی جب زارون نے پھر محراب عبدالکریم کا راستہ روک لیا تھا۔ عباد حویلی

میں موجود نہیں تھا جبکہ سردار عبدالرحیم اور سردار عبداللطیف دونوں ڈیرے پر تھے۔ گھر کی بزرگ تینوں خواتین اکٹھی بیٹھی اپنی باتوں میں مگن تھیں جب چھت سے اترتی محراب کے رستے میں وہ آ گیا تھا۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''تم سے مطلب؟''

''مطلب بہت ہیں..... بس تم سمجھتی نہیں ہو۔ خیر آؤ کچھ بات کرنی ہے تم سے۔'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔ محراب کو بے حد برا لگا تھا۔

''کلائی چھوڑو میری..... تم جیسے گھٹیا انسان کے ساتھ مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔''

''اچھا..... چلو پھر گھٹیا تو گھٹیا ہی سہی، جتنا میں کوشش کرتا ہوں تمہارے معاملے میں بندہ بننے کی، اتنا ہی تم اپنی زبان کے ناجائز استعمال سے مجھے برا بننے پر مجبور کرتی ہو، بالکل اپنی بہن کی طرح.....'' اس بار وہ اسے کھینچتے ہوئے زبردستی چھت پر لے آیا۔ محراب کی آنکھیں اپنی بے بسی پر بھیگ گئی تھیں۔

''اپنی گندی زبان سے میری بہن کا نام مت لو۔''

''اچھا میری زبان گندی اور تمہاری بہن بہت اچھی تھی، ہوں؟'' اس کے گویا تلوؤں پر لگی، سر پر بجھی تھی۔

محراب نے نفرت سے منہ پھیر لیا تھا۔

''یہ جو زبان ہوتی ہے ناں..... یہی تخت سے تختے پر پہنچا دیتی ہے انسان کو مگر تم نے اپنی آنکھوں سے اپنی خود سر بہن کا بھیانک انجام دیکھ کر بھی کوئی سبق حاصل نہیں کیا، چلو خیر اچھی لگتی ہو تم دل کو، تمہارے ساتھ تمہاری بہن والا سلوک نہیں کروں گا میں..... شکر مناؤ۔''

''بکواس بند کرو اپنی.....''

''بکواس تو ابھی شروع ہی نہیں کی میں نے..... تمہیں پتا ہے نایاب کے کالج میں داخلے کے لیے اپنے بابا کو سب سے زیادہ رضامند کرنے والا واحد شخص میں تھا۔ اگر میں بابا کو کنوینس نہ کرتا تو

تمہارے بابا کی ضد بھی ان کے غصے کے آگے کچھ نہیں کر سکتی تھی مگر میرے اس احسان کے بدلے تمہاری بہن نے کیا کیا؟ میرے قطعی پرسنل معاملے کو ہوا بنا کر مجھے ہی دھمکانے پر اتر آئی، اگر وہ یہ حماقت نہ کرتی تو مجھے کیا ضرورت تھی اس کی موت پلان کرنے کی، نہ وہ مجھے غصہ دلاتی، نہ میں اپنے دوست کو اس کے کمرے میں بھیج کر حویلی میں اس کی بدکرداری ثابت کرتا، تم خود بتاؤ کیا اپنی موت کے لیے وہ خود قصوروار نہیں۔"

وہ پر اعتماد تھا۔ اپنے کسی عمل پر اسے کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ محراب کا دل چاہا، وہ اس کا منہ نوچ لے۔

"چپ کر جاؤ تم..... اللہ کا واسطہ ہے تمہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ چلائی اور زارون مسکرا دیا۔

"چلو ہو جاتا ہوں چپ..... بابا اور امی کے سامنے تمہاری ذات سے بھی دستبردار ہو گیا ہوں میں، جاؤ کر لو عباد سے شادی، کیا یاد کرو گی تم بھی کہ کس سخی سے پالا پڑا ہے۔" اس وقت جو مسکراہٹ اس کے لبوں پر رقصاں تھی محراب اس سے خوف زدہ ہو گئی تھی۔ اس کے الفاظ اس کی کسی نئی پلاننگ کی چغلی کھا رہے تھے۔ وہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی تھی جبکہ زارون بائیں ہاتھ سے اس کے بال بکھیرتا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

عباد اس رات قدرے تاخیر سے حویلی لوٹا تھا۔ محراب آدھی رات تک بے چینی سے کروٹیں بدلتی اس کی واپسی کا انتظار کرتی رہی تھی۔ جانے کیا بات تھی جب سے زارون نے اس سے بات کی تھی اس کا دل گویا کوئلوں پر جلنے لگا تھا۔ کیا کرنا چاہتا تھا وہ اس کے ساتھ؟

یہ تو طے تھا کہ وہ اسے مروانا نہیں چاہتا تھا، شادی سے وہ خود پیچھے ہٹ رہا تھا تو آگے اس کی کیا پلاننگ ہو سکتی تھی، سوچ سوچ کر اس کی شریانیں پھٹنے لگی تھیں۔ پوری رات انگاروں پر لوٹنے کے بعد صبح وہ فجر کی نماز کے لیے بستر سے نکلی تو جسم بخار کی زد میں تھا۔ بامشکل ہمت کر کے اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی، ابھی سلام پھیر کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ مریم بیگم وہاں چلی آئیں۔ ان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ محراب کا دل دھڑکا، جلدی جلدی دعا مانگ کر وہ ان کے قریب آئی۔

''امی.....کوئی بات ہوئی ہے؟''

''ہاں.....میری جان، یوں سمجھو ناممکن ممکن ہوا ہے۔'' اس کا منہ چوم کر مسکراتے ہوئے انہوں نے بتایا۔

محراب نے ان کے دونوں ہاتھ محبت سے تھام لیے تھے۔

''ایسا کیا ہو گیا ہے جو آپ اتنی خوش دکھائی دے رہی ہیں۔''

''بات ہی ایسی ہے میری جان.....تم بھی سنو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔''

''اچھا ایسا کیا ہو گیا ہے صبح صبح؟'' وہ حیران ہوئی۔

مریم بیگم پھر مسکرائیں۔

''اللہ نے بڑا کرم کیا ہے محراب.....سردار عبدالرحیم اور بھابی نے اپنی پوری رضامندی کے ساتھ تمہارا نکاح زارون کی بجائے عباد بیٹے کے ساتھ طے کر دیا ہے۔ صرف یہی نہیں، انہوں نے تمہیں شہر کے بڑے مدرسے میں عالمہ کا کورس کرنے کی اجازت بھی دے دی، لانے لے جانے کی ذمے داری عباد بیٹے کے سر ہو گی اور اس سے بھی بڑی خوش خبری یہ ہے کہ زارون کا امریکہ کی کسی یونی ورسٹی میں داخلہ ہو گیا ہے۔ اگلے چند روز تک وہ پاکستان سے باہر چلا جائے گا۔'' محراب دیکھ سکتی تھی ان کا چہرہ سچی خوشی سے دمک رہا تھا۔ وہ رو پڑی تھی۔

''آپ سچ کہہ رہی ہیں امی؟''

''ہاں میری جان.....ابھی نماز کے بعد سردار صاحب اور بھابی جان نے مجھے خود اپنے کمرے میں بلا کر بات کی ہے، سردار عبداللطیف بھائی اور بھابی زینب بھی وہیں موجود تھیں۔''

''یہ تو بہت بڑی بے یقینی کی بات ہے امی.....میرا دل تو اس پر یقین ہی نہیں کر رہا، بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔''

آنسوؤں کے موتی اس کی پلکوں سے ٹوٹ کر گود میں گر رہے تھے۔ مریم بیگم نے اسے محبت سے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

''سب اللہ کا کرم ہے محراب.....وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔یقیناً میری نایاب کی قربانی رائیگاں نہیں گئی۔سردار عبدالرحیم تمہیں خوشیاں سونپ کر نایاب کے ساتھ ہوئی زیادتی کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو امی! جانے کیوں میرا دل عجیب سی بے چینی اور وہم کا شکار ہو رہا ہے، یوں جیسے پھر سے کچھ برا ہونے والا ہو۔زارون سے کسی بھی تباہی کی توقع کی جا سکتی ہے۔''

''پاگل مت بنو محراب.....اللہ نے چاہا تو اگلے چند روز میں سب کچھ بہتر ہو جائے گا اور پھر زارون جا رہا ہے ناں، اس سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں.....بس ایک بار عباد بیٹے کے ساتھ نکاح ہو جائے تمہارا پھر کوئی کچھ بھی کر لے، تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔''

''بے شک امی! اللہ کرے ایسا ہی ہو۔''

سر جھکاتے ہوئے اس نے دل سے دعا کی تھی مگر وقت کا بے رحم دیوتا اس کی دعا پر طنزیہ قہقہے لگاتا کچھ اور ہی پلان کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

لال حویلی میں بڑوں کی باہمی مشاورت سے بالآخر عباد اور محراب کا نکاح طے کر دیا گیا تھا۔ نایاب عبدالکریم کی ناگہانی موت کے پورے پانچ ماہ بعد اس حویلی میں سب خوش تھے۔ایک بیٹی کی قربانی کے بعد مریم بیگم کو لگا ان کی دوسری بیٹی کی زندگی محفوظ ہو گئی ہے۔

محراب عبدالکریم کے پاؤں تو گویا زمین پر ہی نہیں ٹک رہے تھے۔خوشی ہی ایسی تھی کہ وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی۔زارون عبدالرحیم اب زیادہ تر حویلی کے بجائے باہر زمینوں پر وقت گزارتا تھا۔حویلی میں عباد اور محراب کے نکاح سے جیسے اسے کوئی واسطہ ہی نہیں رہا تھا۔

عباد جو اس سے اچھا خاصا متنفر ہو چکا تھا، اب مطمئن ہو گیا تھا۔محراب کا شہر کے سب سے بڑے مدرسے میں داخلہ بھی ہو گیا تھا۔زندگی سبک روی سے پھر رواں دواں ہو گئی تھی۔لال حویلی کی اونچی دیواروں نے بالآخر عباد اور محراب کے نکاح کی خوشی بھی دیکھی اور اس دوران جتنی بار بھی محراب کا زارون سے سامنا ہوا، وہ اسے سنجیدہ اور خاموش ہی دکھائی دیا تھا۔ایک خوف جو ہمہ وقت اس کے

اعصاب پر سوار ہو گیا تھا، نکاح کے بعد جاتا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

عباد عبدالطیف کے نکاح میں آنے کے بعد وہ ویسے بھی خود کو بہت مضبوط محسوس کرنے لگی تھی۔ زارون کی ایبروڈ کے لیے ٹکٹ کنفرم ہو گئی تو دل میں جو رہے سہے وسوسے تھے، وہ بھی خود بخود ختم ہو گئے تھے۔ زارون باہر چلا گیا، عباد نے زمینیں سنبھال لیں، حویلی میں ان کی شادی کی تاریخ پکی ہو گئی مگر انہی دنوں عجیب معاملہ ہوا کہ محراب کو مدرسے میں ہی ایک لڑکا تنگ کرنے لگا تھا۔ بظاہر اس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی، نماز بھی پڑھتا تھا، مدرسے میں اس کی شرافت اور دیانت داری کی مثال دی جاتی تھی مگر محراب جانتی تھی کہ جیسا اس نے خود کو ظاہر کیا ہوا ہے، وہ ویسا نہیں تھا۔

مدرسے میں مختلف کلاسز کے دوران آتے جاتے جہاں موقع ملتا وہ محراب عبدالکریم کا رستہ روک کر کھڑا ہو جاتا اور اسے اوچھے ہتھکنڈوں سے پریشان کرتا۔ شروع شروع میں اس نے برداشت کیا، مگر بات جب حد سے بڑھ گئی تو بہت سوچنے کے بعد اس نے بالآخر اپنی ماں اور عباد کو سب بتانے کا فیصلہ کر لیا۔ مریم بیگم کے علم میں بات آئی تو انہوں نے فوری اسے مدرسہ چھوڑنے کا فیصلہ سنایا مگر عباد نے ایسا نہیں کیا۔

محراب کی زبانی اسے پتا چل گیا تھا کہ مدرسے والے کبھی بھی اس لڑکے کے خلاف ایکشن نہیں لیں گے لہٰذا اس نے اپنے طور پر اسے سبق سکھانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس روز موسم قدرے ابر آلود تھا۔ عباد نے اپنے طور پر اس کے معمولات چیک کیے اور مدرسے جاتے ہوئے راستے سے ہی اسے گن پوائنٹ پر اغوا کر لیا۔ حویلی میں کسی کو بھی اس کے معمولات کی خبر نہیں تھی۔ راستہ سنسان تھا لہٰذا تھوڑی سی ڈرائیو کے بعد اس نے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی تھی۔

"باہر آؤ....." اگلے ہی پل گن پوائنٹ پر اس نے اسے گاڑی سے باہر گھسیٹا تھا۔ لڑکا قدرے حیران چپ چاپ گاڑی سے باہر نکل آیا۔

"بھائی! جہاں تک میرا خیال ہے میں تو آپ کو جانتا تک نہیں، پھر مجھے کس جرم کی سزا دے

رہے ہیں آپ؟'' گاڑی سے نکلتے ہی اس نے پوچھا۔ جب عباد نے اس کے چہرے پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔

''سزا کے بچے..... شکل مومناں، کرتوت کافراں..... مگر تم شاید جانتے نہیں کس جگہ پنگا لیا ہے تم نے۔''

''بھائی مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا آپ کیا کہہ رہے ہیں، ضرور آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''بکواس بند کرو، اپنے مدرسے والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہو، میری نہیں۔''

''کیسی دھول..... مجھے بتائیں تو سہی میں نے کیا کیا ہے؟''

''کیا کیا ہے؟ میری عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی ہے تم نے، موت سے کم کوئی سزا نہیں ہو سکتی تمہارے لیے۔''

''بھائی آپ ضرور کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں، میرا تو ایک ایک پل مدرسے کے لیے وقف ہے، میں بھلا ایسی گھٹیا حرکت کیوں کروں گا۔''

''اس کا جواب تو تمہیں مرنے کے بعد ہی پتا چلے گا۔''

''ٹھیک ہے بھائی اگر آپ نے ٹھان ہی لی ہے کہ کسی بے قصور کے قتل کا گناہ اپنے سر لیں گے تو جیسی آپ کی مرضی!''

لڑکے کے قول و فعل میں کوئی تضاد نظر نہیں آ رہا تھا، تب ہی اسے پرے دھکیلتے ہوئے اس نے جیب سے موبائل نکالا اور اگلے ہی پل موبائل کی گیلری سے محراب کی پرانی تصویر نکالتے ہوئے اس نے سکرین اس لڑکے کے سامنے کر دی تھی۔

''میری منکوحہ ہے یہ، کیوں پریشان کرتے ہو اسے؟''

اپنی روایت کے قطعی خلاف جا کر اس نے یہ حرکت کی تھی، جواب میں اس لڑکے نے ایک نظر اسکرین پر ڈال کر منہ پھیر لیا تھا۔

''بھائی آپ یقین کریں نہ کریں مگر حقیقت یہی ہے کہ مدرسے کی ہر لڑکی کو میں اپنی سگی بہن

سمجھتا ہوں، یہ بھی میرے لیے سگی بہنوں جیسی ہے، میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا کچھ ایسا ویسا کرنے کا، ہاں میں نے انہیں دو تین بار مدرسے میں کچھ غلط کرتے دیکھ کر ٹوکا ضرور ہے جس سے یہ بہن اور اس کی ایک دوست مجھ سے ناراض ہیں۔"

"نری بکواس..... یہ کچھ غلط نہیں کر سکتی۔"

"ٹھیک ہے بھائی، آپ کل اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا، ہر روز یہ بہن مدرسے والوں سے جھوٹ بول کر اپنی ایک دوست کے ساتھ مدرسے سے کہیں باہر جاتی ہے، میں نے منع کیا تو میری دشمن ہو گئی، کہتی ہیں مدرسے سے نکلوا دیں گی۔"

"ٹھیک ہے، جو الزام تم لگا رہے ہو، دعا کرو وہ جھوٹ نہ نکلے کیونکہ اگر یہ جھوٹ نکلا بہت بری موت دوں گا میں تمہیں۔"

کہنے کے ساتھ ہی سامنے کھڑے لڑکے کو دھکا دے کر گراتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

وہ رات اس کی زندگی کی کڑی رات تھی۔ بے حد تکلیف دہ رات، کروٹ پہ کروٹ بدلتے صبح ہو گئی مگر وہ سو نہ سکا، بے چینی ہی ایسی تھی۔ محراب مدرسے کے لیے تیار ہو گئی تو وہ بھی منہ پر پانی کے چھپاکے مار کر کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ اس روز گاڑی میں بھی وہ خاموش ہی رہا، محراب نے وجہ بھی پوچھی مگر وہ ٹال گیا۔

اگلے تیس منٹ کے بعد اسے مدرسے چھوڑ کر وہ خود وہیں مدرسے سے قدرے فاصلے پر کھڑا ہو گیا تھا۔ دل دھڑک دھڑک کر ایک ہی دعا کر رہا تھا کہ اس لڑکے کی بات جھوٹی ہو، مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ محراب مدرسے پہنچنے کے تقریباً اڑھائی گھنٹے بعد ایک لڑکی کے ساتھ مدرسے سے نکلی اور پاس سے گزرتے رکشے کو روک کر اس میں بیٹھ گئی تھی۔ عباد کو لگا اس کا دل دھڑکنا بھول گیا ہو۔

ایسا کون سا ضروری کام تھا جس کے لیے وہ یوں سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر مدرسے سے نکل سکتی تھی جبکہ اسے اپنے علاقے اور حویلی کے سخت ترین اصولوں کا بھی پتا تھا۔ خون آنکھوں میں

کیسے اترتا ہے کوئی اس لمحے عباد عبدالطیف سے پوچھتا۔ اس لمحے اس میں اتنی سی بھی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ اس کا پیچھا ہی کر سکتا، بہت سے لمحے وہیں بیٹھ کر خود پر ضبط کرنے کے بعد شام ڈھلے بالآخر وہ وہیں سے شکستہ دل واپس لوٹ آیا تھا۔ اسی روز شام میں محراب کی مدرسے سے واپسی کے بعد اس نے اسے چھت پر بلا لیا تھا۔

دونوں سردار اس وقت ڈیرے پر تھے جبکہ حویلی کی بیگمات روزمرہ کے کاموں میں مصروف تھیں۔ محراب دھڑکتے دل کے ساتھ موقع دیکھ کر چھت پر چلی آئی تھی۔

عباد چارپائی پر چت لیٹا، ایک ٹانگ موڑ کر دونوں بازو سر کے نیچے دھرے تاروں بھرے آسمان کو دیکھ رہا تھا، اس کے چھت پر آتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''آؤ بیٹھو، تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔''

''خیریت.....؟'' وہ قدرے پریشان تھی، عباد نے نگاہیں اس کے صبیح چہرے پر جما دیں۔

''کچھ بات کرنی تھی۔''

''جی کہیں؟'' دونوں ہاتھ گود میں دھرے وہ اس کے پہلو میں ٹک گئی تھی۔ عباد نے اس کے دونوں ہاتھوں پر اپنا بھاری مضبوط ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''میں چاہتا ہوں محراب.....اسی مہینے ہماری شادی ہو جائے، ابو اور تایا ابو کو یقیناً کوئی اعتراض نہیں ہوگا، تم کیا چاہتی ہو؟'' وہ اس کی رائے لے رہا تھا، محراب کی پلکیں جھک گئی تھیں۔

''ہماری شادی تو طے ہے پھر یوں اچانک جلدی کی وجہ؟''

''کچھ خاص نہیں، بس مکمل طور پر اپنی دسترس میں دیکھنا چاہتا ہوں تمہیں۔''

''کیا آپ کو کوئی خوف لاحق ہے؟''

''نہیں.....''

''تو پھر جلدی کر کے سب کی نظروں میں ہمارے تعلق کو مشکوک کرنے کی کوشش مت کریں۔''

وہ کسی اور خیال سے کہہ رہی تھی، عباد نے اسے کسی اور خیال سے لیا تھا۔

''ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی.....''

''اس لڑکے کا کیا بنا..... سبق سکھایا آپ نے اسے؟''

عباد کے گہری سانس بھر کر نظر پھیر لینے پر وہ موضوع بدلتے ہوئے بولی تھی۔ جواب میں عباد نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے ہٹا لیا تھا۔

''ہوں.....''

''اب تو پریشان نہیں کرے گا ناں وہ مجھے؟''

''نہیں..... لیکن بہتر ہے تم رخصتی تک مدرسے نہ جاؤ۔''

''کیوں؟'' وہ پریشان ہوئی تھی۔ عباد نے نظریں پھر اس کے چہرے پر جمائیں۔

''میں کہہ رہا ہوں، کیا یہ کافی نہیں ہے۔''

''کافی ہے، مگر یوں اچانک.....''

''بس..... میں نہیں چاہتا اس لڑکے کے بعد پھر کوئی اور تمہیں تنگ کرے اور میں اپنے سارے ضروری کام چھوڑ کر اس سے دشمنی مول لیتا پھروں۔''

''ٹھیک ہے کل میں مدرسے والوں کو کہہ آؤں گی میں نہیں آسکتی۔''

''ہوں.....''

''اب جاؤں؟''

''ہاں جاؤ..... میں تھوڑی دیر آرام کروں گا اب۔'' وہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ تھوڑی دیر تنہا رہنا چاہتا ہے مگر اس نے اسے کسی الجھن میں ڈالنا مناسب نہ سمجھا۔ محراب قدرے پریشان سی اس کے پہلو سے اٹھ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

اگلے روز محراب کو مدرسے چھوڑنے کے بعد وہ سیدھا ڈیرے پر آیا تھا۔ سردار عبدالرحیم اور سردار عبداللطیف اس وقت وہیں موجود تھے۔ عباد نے بڑے طریقے کے ساتھ اپنی جلد شادی کی خواہش

ان کے سامنے رکھ دی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ محراب کے ساتھ اس کا رشتہ کسی بھی آزمائش کی بھینٹ چڑھے، ایک طرح سے اسے محراب عبدالکریم پر اندھا یقین تھا۔ سردار عبدالرحیم نے اس کی خواہش پوری کرنے کی ہامی بھر لی تھی۔ زارون اس وقت پاکستان نہیں آسکتا تھا۔ دو ماہ بعد اس کی ہونے والی شادی دو ہفتے بعد ہونا طے پا گئی تھی۔ عباد نے طے کر لیا تھا وہ بنا محراب سے کوئی وضاحت لیے، پورے خلوص کے ساتھ اسے اپنی زندگی میں شامل کرے گا۔

ڈیرے سے حویلی واپسی پر اس نے حویلی کی خواتین کو بھی یہ خوش خبری سنا دی تھی۔ اب اسے شام کا انتظار تھا، مدرسے سے محراب عبدالکریم کی واپسی پر وہ اسے یہ سرپرائز دینا چاہتا تھا مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ محراب عبدالکریم اس روز مدرسے سے واپس ہی نہیں آئی تھی۔ مدرسے والوں کے بقول وہ کسی ضروری کام کا عذر پیش کر کے چھٹی سے پہلے ہی مدرسے سے رخصت ہو گئی تھی۔ پاؤں تلے زمین نکلنا اور سر پر آسمان گرنا کسے کہتے ہیں، عباد عبداللطیف کو اس لمحے پتا چلا تھا۔ ابھی کل ہی تو اس نے مدرسہ چھوڑنے کا کہا تھا اور آج وہ غائب ہو گئی تھی۔

کیوں؟ اس نے تو کہیں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی، صبح اسے مدرسے کی محفوظ عمارت میں اتار کر شام میں وہ خود اسے اسی محفوظ پناہ گاہ سے پک کرتا تھا پھر وہ جھوٹ بول کر کہیں غائب کیوں ہوئی تھی؟

کسی ہتھوڑے کی طرح یہ ''کیوں'' اس کے دماغ کو توڑ پھوڑ رہا تھا۔ شام ڈھل رہی تھی مگر وہ حویلی واپس جانے کے بجائے شہر کی ایک ایک سڑک ایک ایک چپہ چھان رہا تھا۔ وہ گھر جہاں اس نے اس روز اسے کسی لڑکی کے ساتھ جاتے دیکھا تھا اسے بھی تالا لگا ہوا تھا۔ مدرسے کے سی سی ٹی وی کیمرے میں اسے واضح مدرسے کے گیٹ سے اکیلے نکل کر کچھ ہی فاصلے پر کھڑی ایک سفید رنگ کی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا جا سکتا تھا۔ کوئی قیامت تھی جو اس شام عباد عبداللطیف کے دل پر ڈھے گئی تھی۔ آنکھوں کے سامنے جیسے اندھیرا چھا گیا تھا۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا وہ غم و غصے میں ساری دنیا کو تہس نہس کر دے۔ لال حویلی کی بے رحم بلند و بالا دیواروں تک رات گئے محراب عبدالکریم کے بھاگنے کی خبر پہنچ گئی تھی۔

مریم بیگم تو یہ سنتے ہی بے ہوش ہوگئی تھیں جبکہ حویلی کی دیگر خواتین پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ نایاب عبدالکریم کی اس حویلی میں ناگہانی موت کے ٹھیک سات ماہ بعد وہاں محراب عبدالکریم کی عبرت ناک موت کا فرمان جاری کر دیا گیا تھا۔ اس کی پیدائش نایاب کی پیدائش سے ٹھیک سات ماہ بعد ہوئی تھی اور اب اس کی موت کا فرمان بھی اس کی موت کے ٹھیک سات ماہ بعد طے ہو گیا تھا۔ پورے سات ماہ بعد اس حویلی میں اترنے والی وہ ایک خون آشام رات تھی۔

☆.....☆.....☆

طویل سفر کے بعد جس وقت محراب کو ہوش آیا شام ڈھل رہی تھی۔ وہ پٹی جو اسے بے ہوش کرتے وقت اس کی آنکھوں پر باندھی گئی تھی، اب نہیں تھی۔ آنکھیں مسلتے ہوئے اس نے اردگرد دیکھا، وہ ایک بے حد خوب صورت ڈیکوریٹڈ گھر تھا۔ نیا بنا ہوا، سجا سجایا خوب صورت گھر۔ اسے یاد آیا جب وہ مدرسے سے اپنی دوست غزالہ کی اطلاع پر کہ اس کا کزن عباد کسی ایمرجنسی میں باہر اسے لینے آیا ہے، کلاس انچارج کو بتا کر نکلی تھی تو دن تھا۔ دل میں سر اٹھاتے مختلف وسوسوں کو روندتی، وہ سڑک پر بالکل عباد جیسی گاڑی دیکھ کر مطمئن ہو گئی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے ساتھ آنے والے اگلے چند لمحوں میں کیا ہونے والا ہے؟

گاڑی میں اس کے بیٹھتے ہی کسی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا، ساتھ ہی اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی۔ محراب سمجھ ہی نہ سکی کہ اچانک اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے؟ اس کا سر تیزی سے چکرایا اور اگلے کچھ ہی لمحوں میں وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے بے ہوش ہوئے کتنا وقت گزرا، تاہم وہ اتنا ضرور جان گئی تھی کہ اس کے ساتھ وہ انہونی ہو چکی ہے جس کا اسے ڈر رہتا تھا۔

لال حویلی کے بند در و دیوار اور مکین اب اس پر حرام ہو چکے تھے۔

دل تھا کہ گویا پسلیوں میں ہی دم توڑ گیا تھا، جبکہ آنکھیں یوں برس رہی تھیں جیسے وہ خود اپنی موت پر رو رہی ہوں۔ اسے ہوش میں آئے ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا جب کمرے کا دروازہ ہلکی سی آہٹ کے ساتھ کھلا اور اگلے ہی لمحے زارون عبدالرحیم چہرے پر ہلکی سی فخریہ مسکراہٹ سجائے اس کے

مقابل چلا آیا تھا۔ محراب کی آنکھیں اسے دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''تم.....؟'' اسے جیسے اپنی بینائی پر شک ہوا تھا۔ جواب میں زارون کے لبوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی تھی۔

''ہاں میں..... کیوں اور بھی کسی مرد کے ساتھ کوئی دشمنی ہے کیا تمہاری؟'' اس کے بالکل قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے اس کے گالوں کو چھوا، وہ ہراساں سی بدک کر دور ہوئی۔

''نہیں..... تم اتنا نہیں گر سکتے، اپنی سگی چچازاد کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو تم؟'' اسے ابھی تک اپنی بصارت پر یقین نہیں تھا۔ زارون مزے سے مسکراتے ہوئے زمین پر اس کے پہلو میں ساتھ چپک کر بیٹھ گیا تھا۔

''تمہیں کیا لگا..... اتنی آسانی سے میں تمہیں مسز عباد ہونے دوں گا؟ ارے پاگل..... ایک تمہیں نہ کھونے کے لیے تو تمہاری سگی بہن اور اپنی سگی چچازاد کزن کے کمرے میں آدھی رات کو، اپنا دوست گھسا کر اسے بے موت مروایا اور تم نے سمجھ لیا میں یوں آسانی سے نہایت شرافت کے ساتھ تمہیں کسی اور کے ساتھ زندگی گزارتے دیکھ لوں گا۔ نہیں محراب اتنا بڑا دل اور ظرف نہیں ہے میرا۔'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ اس کے دونوں کندھوں کے گرد پھیلا دیا۔ محراب کو لگا جیسے اس کے وجود پہ کسی نے بم سے بلاسٹ کر دیا ہو۔ اس میں اتنی ہمت بھی نہیں رہی تھی کہ وہ اپنے کندھوں کے گرد سے اس کا بازو جھٹک دیتی۔ دل کا وہم سچ بن کر سامنے آ گیا تھا۔

بے ساختہ اس کو اپنی ماں کا خوشی سے دمکتا چہرہ یاد آیا، وہ کتنی مسرور اور مطمئن تھیں کہ زارون ایبروڈ چلا گیا ہے اب ان کی بیٹی کی زندگی میں کوئی پریشانی نہیں آئے گی۔ خوشی سے دمکتا وہ چہرہ مدرسے سے اس کے غائب ہو جانے کی خبر پر دکھ سے کیسے سفید پڑا ہوگا، وہ واضح محسوس کر سکتی تھی۔ اپنی مہربان ماں کے ساتھ ہی اسے عباد عبداللطیف کی ستاروں سی چمکتی نگاہیں یاد آئی تھیں جو اس کی طرف اٹھتی تھیں تو ان کی روشنی مزید بڑھ جاتی تھی۔ اسے یاد آیا وہ اس سے جلد شادی کا خواہاں تھا، اس نے اسے مدرسہ چھوڑنے کا حکم دیا تھا، پتا چلا ہوگا کہ وہ مدرسے میں نہیں ہے تو اس پر کیا بیتی ہوگی؟ حویلی کے مردوں نے اس کے

غائب ہونے کو کیا رنگ دیا ہوگا؟ حویلی کی عورتوں پر اس کی گمشدگی کیسی قیامت بن کر ٹوٹی ہوگی؟

جیسے جیسے اسے خیال آ رہا تھا، اس کا دل گہرے پاتال میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ اسے نایاب یاد آئی۔

وہ نایاب جو اس سے پورے سات ماہ بڑی تھی، جو اس سے زیادہ ذہین، حویلی میں اس سے زیادہ چہیتی، زیادہ سمجھدار تھی، مگر زارون عبدالرحیم نے اسے ہرا دیا تھا، اس کی پاکیزگی جس کی گواہی پورا علاقہ دیتا تھا، پھر بھی اسے موت کی سزا ملی تھی۔ بچپن سے جوانی تک اس کے گزرے ایک ایک پل کے گواہ اس کے اپنے رشتوں نے اس پر بدکرداری کی مہر لگا دی تھی۔ زارون عبدالرحیم نے خود کو صحیح رکھنے کے لیے اسے سب کی نظروں میں غلط ثابت کر دیا تھا تو اب وہ اس کے ساتھ کیا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اب جبکہ وہ عباد عبداللطیف کی منکوحہ تھی۔ خوف سے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا تب ہی اس نے زارون کو کہتے سنا۔

"کیا ہوا..... ڈر گئی مجھ سے، ارے پاگل! بتایا تو تھا تمہیں..... تم حویلی کے کسی مرد کی گولی کا نشانہ نہیں بنو گی، تمہیں میں اپنی زندگی کا حصہ بناؤں گا۔ ٹرسٹ می....." اس لمحے اس شخص کے چہرے پر عجیب سی چمک تھی۔ محراب نے ہارے ہوئے انداز میں سر گھٹنوں میں ٹکا دیا..... اس کے دل کی بے چینی اور وہم غلط ثابت نہیں ہوا تھا۔ زارون عبدالکریم اس کی زندگی میں تباہی لے آیا تھا۔

جب درد پرانے ہو بیٹھے
جب یاد کا جگنو راکھ ہوا
جب آنکھ میں آنسو برف ہوئے
جب زخم سے دل زندہ ہوں
تب دل کو دھڑکنا یاد آیا
جب کرب کی لمبی راہوں میں
احساس کے بال سفید ہوئے
جب آنکھیں بے سیلاب ہوئیں
جب چاند چڑھا بے دردی کا
جب ریت پہ لکھی یادوں کو

بے مہر ہوا نے چھین لیا
جب یادیں بیدار ہوئیں
تب مجھ پہ کھلا میں زندہ ہوں
تب دل کو دھڑکنا یاد آیا
پھر وقت نے کچھ انگڑائی لی
پھر سوچ کی قبر سے دھول اڑی
پھر پیار کا برزخ بھول گیا
اک ہجر سے کیا آزاد ہوئے
سو ہجر نئے ایجاد ہوئے
پھر اشک میں دریا قید ہوا
پھر دھڑکن میں بھونچال پڑے
پھر عشق کا جوگی گلیوں میں
تقدیر کا سانپ اٹھا لایا
پھر عشق کا جنگل سبز ہوا
پھر زلف کے تیور شام ہوئے
اس شام میں پھر ماہتاب چڑھا
پھر ہونٹ کی لرزش گیت بنی
پھر درد زلیخا بن بیٹھا
پھر کرب کا قرب جوان ہوا
پھر مجھ پہ کھلا میں زندہ ہوں
تب دل کو دھڑکنا یاد آیا

☆.....☆.....☆

لال حویلی کی اونچی دیواروں میں محراب عبدالکریم کے اغوا کا وہ دوسرا دن تھا جو سوگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ عباد نے بے حد خاموشی کے ساتھ اسے طلاق دے دی تھی۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں سگریٹ کے نجانے کتنے پیکٹ اس نے پھونک ڈالے تھے۔ دل پر جو لگا تھا بڑا گہرا وار تھا۔ محراب عبدالکریم اس کے ساتھ جھوٹ بول سکتی ہے، دھوکا دے سکتی ہے، اس نے تو اس بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا، مگر پھر بھی یہ تلخ حقیقت اسے برداشت کرنی پڑ رہی تھی۔ محراب کی دوست غزالہ نے، بمشکل اس سے رابطہ کر کے اس تک محراب کی ہینڈ رائٹنگ میں لکھا اس کا خط پہنچایا تھا اور یہی وہ خط تھا جس کے بعد اس نے اسے طلاق دے کر اس کا فیصلہ حویلی کے سرداروں کے سپرد کر دیا تھا۔ محراب نے لکھا تھا۔

السلام علیکم عباد!

میں جانتی ہوں آپ مجھ سے بہت مخلص ہیں، سچا پیار بھی کرتے ہیں مگر میں معافی چاہتی ہوں میں چاہتے ہوئے بھی آپ کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ مجھے نفرت ہے لال حویلی کی روایات سے، جس دن اس حویلی کے سرداروں نے میری بے قصور بہن کو موت کی گہری نیند سلایا اسی روز میں نے یہ قسم کھائی کہ میں ان سرداروں سے اپنی بہن کی موت کا بدلہ ضرور لوں گی۔ جس الزام میں ان ظالم بے حس مردوں نے میری بہن کو موت دی، وہ الزام حقیقت بنا کر ان کے مکروہ چہروں پر کالک ضرور ملوں گی۔ مجھے معاف کر دینا عباد، میں نے آپ کا استعمال کیا، کیونکہ زارون بہت ہوشیار نکلا وہ میرے قابو میں نہیں آیا۔ اب علاقے کے لوگوں کو بتانا، نایاب عبدالکریم کی بہن محراب عبدالکریم نے کیا کیا ہے؟ ہو سکے تو میری ماں کو میرے گناہ کی سزا مت دینا، کیونکہ وہ بے قصور ہیں۔

فقط ایک باغی

محراب عبدالکریم

جتنی بار اس نے یہ خط پڑھا تھا اس کے اندر نئے سرے سے توڑ پھوڑ ہوئی تھی۔ کتنی بار وہ ٹوٹ کر بکھرا تھا، رویا تھا۔ حویلی کے سرداروں نے جس وقت محراب عبدالکریم کی موت کا فیصلہ سنایا، وہ یوں ساکت بیٹھا تھا گویا تن مردہ میں جان ہی نہ ہو۔ گویا محراب عبدالکریم کی موت سے اسے کوئی لینا دینا ہی

نہ ہو۔ مریم بیگم خود زندہ لاش بن کر رہ گئی تھیں۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں تھا جب ان کی آنکھیں خشک ہوتی ہوں۔

ایک بیٹی کی المناک موت کے بعد دوسری بیٹی کو کھونے کی ہمت ہی نہیں تھی ان کے اندر۔ تب ہی ہمہ وقت جائے نماز پر بیٹھی وہ بس ایک ہی دعا کرتی تھیں کہ محراب زندگی میں کبھی لوٹ کر حویلی میں نہ آئے۔ سردار عبدالرحیم نے زارون کو کال کر کے حویلی کے تازہ حالات بتا دیے تھے اور اس نے ان سے درخواست کی تھی کہ جب تک وہ امریکا سے واپس نہیں آتا، محراب عبدالکریم کی سزا پر عمل درآمد نہ کیا جائے۔ پورے چوبیس گھنٹے گزرنے کے بعد حویلی میں سب سے بات کر کے وہ محراب کے پاس آیا تھا جو پچھلے چوبیس گھنٹے سے بھوکی پیاسی بیٹھی بس رو رہی تھی۔

''ایک خوش خبری ہے تمہارے لیے۔'' مسکراتی نگاہوں سے اس کا مرجھایا چہرہ دیکھتے ہوئے وہ اس کے قریب ہی ٹک گیا تھا۔ وہ پتھر کی مورت بنی بیٹھی رہی تھی۔

''پوچھو گی نہیں کیا خوش خبری ہے؟'' اس وقت محراب کی حالت اسے لطف دے رہی تھی، وہ چپ رہی تھی۔

''چلو میں خود ہی بتا دیتا ہوں، تمہارے عباد عبداللطیف صاحب نے طلاق دے دی ہے تمہیں اور اس کے طلاق دینے کے بعد حویلی کے سرداروں نے تمہاری بہن کی طرح تمہارے لیے بھی موت کی سزا طے کر دی ہے۔ آسان لفظوں میں اب اگر تم حویلی جاتی ہو تو تمہاری زندگی کی کوئی گارنٹی نہیں، اب بتاؤ آگے کیا پلاننگ ہے تمہاری؟'' وہ اتنا مطمئن اور مسرور تھا کہ محراب برستے آنسوؤں کے ساتھ حیرانی سے اسے فقط دیکھتی رہ گئی تھی۔ کسی انسان کا ایسا گھناؤنا، شیطانی روپ بھی ہو سکتا ہے، اسے آنکھوں دیکھ کر بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

''کیا ہوا..... یقین نہیں آ رہا..... لو ریکارڈنگ سن لو، مجھے پتا تھا تمہیں یقین نہیں آئے گا اسی لیے کال ریکارڈ کر لی، ابھی حویلی بات ہوئی ہے جو تازہ حالات ہیں وہاں کے وہی بتا رہا ہوں تمہیں۔''

اسے خاموش دیکھ کر وہ پھر مسکرایا۔ محراب کے برستے آنسوؤں میں مزید شدت آ گئی تھی۔ کتنا آسان تھا اس شخص کے لیے کسی کی بھی زندگی کو ادھیڑ کر رکھ دینا۔ موبائل کے اسپیکر سے کمرے میں اس

وقت سردار عبدالرحیم کی غصیلی آواز گونج رہی تھی۔ وہ جیسے جیسے سنتی گئی، اس کا وجود بے جان ہوتا گیا۔ واپسی کے سارے دروازے بند ہو گئے تھے۔ زندگی کے سارے دروازے بھی بند ہو گئے تھے۔ زارون نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھ دیے تھے۔

''آ گیا یقین..... چلو اب میں تمہیں بتاتا ہوں، یہ سب ہوا کیسے؟ اصل میں تم نے بھی وہی نایاب والی غلطی کی، میرے منہ پر مجھے رد کر دیا۔ صرف رد نہیں، وارن بھی کر دیا۔ ذرا سوچو کیسے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ سکتا تھا۔ بہت سوچا کیا ایسا کروں کہ تم خود رو رو کر مجھ سے میری رفاقت مانگو، سوائے میرے اور کوئی تمہارا حق دار نہ ہو، بہت سوچ سوچ کر یہی حل سمجھ میں آیا کہ تم سے تمہاری پاکیزگی چھین لوں۔ یہ سب آسان نہیں تھا، اس لیے مجھے پوری پلاننگ کرنی پڑی۔ بالکل ویسی ہی پلاننگ جیسی نایاب کے لیے کی تھی۔ لہٰذا تمہارے کیس میں بھی وہی دوست کام آیا جسے آدھی رات کو نایاب کے کمرے میں بھجوا کر اس پر اس کی بدکرداری ثابت کی، پہلے داڑھی رکھوائی، پھر اسی مدرسے میں سفارش کر کے بلا معاوضہ ملازمت پر لگوایا، جہاں بابا نے تمہارے داخلے کی اجازت دی تھی۔ صرف میری دوستی میں اس نے شرافت کا چوغا پہن کر مدرسے کی سادہ لوح انتظامیہ کا اعتماد جیتا لیکن صرف اس کا کردار کافی نہیں تھا۔ اس لیے اس کے ساتھ ساتھ غزالہ کی مدد لینی پڑی۔ غزالہ کو تو جانتی ہو ناں تم..... تمہاری دوست، وہی دوست جو تم سے اور مدرسے والوں سے جھوٹ بول کر صرف میرے حکم پر تمہیں اپنی بیمار ماں کی جھوٹی کہانی سنا کر، بے وقوف بنا کر، اپنے گھر لے جاتی رہی اور تمہارے سامنے اپنی معذور ملازمہ کو اپنی ماں بنا کر تمہاری ہمدردی حاصل کرتی رہی۔ تمہارے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہو گی کہ میں نے یہ سب کیوں کیا؟ چلو بتا دیتا ہوں کیا یاد کرو گی تم بھی کہ کیسے سچے کھرے انسان سے پالا پڑا تھا تمہارا، ڈیئر محراب عبدالکریم میں نے یہ سب تمہیں تمہارے عباد کی زندگی سے نکالنے کے لیے کیا، اب تم لاکھ چیخ چیخ کر سب کو بتاتی رہو کہ میں نے تمہارے ساتھ یہ شیطانی کھیل کھیلا ہے مگر کوئی تمہاری بات پر یقین نہیں کرے گا، بھلا کیوں؟ کیونکہ میں تو پاکستان میں ہی نہیں ہوں..... ہاہاہا!'' اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ دل کھول کر ہنسا۔ محراب ساکت بیٹھی اسے سنتی اور دیکھتی رہی تھی۔

''کتنی بھولی ہو ناں تم بھی بلکہ نہیں تم تو بے وقوف ہو، میں نے کہا میں عباد عبدالطیف کے حق میں دستبردار ہو رہا ہوں اور تم نے یقین کر لیا۔ اچھی طرح مجھ سے واقف ہونے کے باوجود یقین کر لیا تم نے، کتنی حیران کن بات ہے ناں۔'' اس بار اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا تھا۔ محراب نے نفرت سے منہ پھیر لیا تھا۔

''دور رہو مجھ سے زارون عبدالرحیم! مت بھولو کہ اللہ سے بڑا پلانر اور کوئی نہیں، وہ جب کسی ظالم کی رسی کھینچنے پر آتا ہے ناں تو اسے توبہ کی توفیق بھی نہیں دیتا، کیا خبر تمہاری جو پلاننگ ہے تمہیں اس میں کامیاب ہونے کی مہلت بھی ملتی ہے یا نہیں؟''

''اچھا..... پھر دھمکی دے رہی ہو مجھے؟''

''دھمکی نہیں، بددعا دے رہی ہوں۔''

''ہاہاہا..... چیونٹی ہو تم محراب عبدالکریم، میرے سامنے چیونٹی جتنی حیثیت بھی نہیں تمہاری، بے فکر رہو۔ تمہاری بددعائیں مجھ پر کوئی اثر نہیں کرنے والیں۔'' وہ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ محراب لہو رنگ آنکھوں سے اسے دیکھتی صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

محراب عبدالکریم کے اغوا کا وہ تیسرا دن تھا جب زارون نے اسے بے ہوشی کی حالت میں حویلی سے قدرے فاصلے پر پھینک دیا تھا۔ شام ڈھل رہی تھی۔ دن بھر کے تھکے ہارے پرندے اپنی اپنی چونچ میں بچوں کا رزق سمیٹ کر افق کے اس پار ڈوبتے سورج کی نارنجی کرنوں کے ساتھ ساتھ اپنے گھونسلوں کو واپس پلٹ رہے تھے..... تب ہی حویلی کے ایک ملازم کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔

جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے کپڑوں میں ملبوس وہ حویلی سے چند قدم کے فاصلے پر اوندھے منہ بے ہوش پڑی تھی۔ ملازم کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی اس نے فوراً حویلی اطلاع کر دی تھی۔ ایک قیامت اس حویلی پر تین روز پہلے ٹوٹی تھی جب وہ اغوا ہوئی تھی اور ایک قہر اب ٹوٹا تھا جب وہ واپس آ گئی تھی۔ مریم بیگم کا رو رو کر برا حال تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کی بیٹی گناہ گار نہیں ہے، مگر وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ اس کے

باوجود اسے اس حویلی میں بے موت مار دیا جائے گا۔ حویلی کے پچھواڑے میں بے گور و کفن دفن ہونے والی اس بدنصیب حویلی کی بدنصیب خواتین میں ایک اور اضافہ ہو جائے گا۔

☆.....☆.....☆

بار بار وہ بے ہوش ہو جاتیں اور بار بار انہیں ہوش میں لایا جاتا تھا۔ عباد کو جب سے اس کی واپسی کی اطلاع ملی تھی، وہ اسی وقت گاڑی لے کر حویلی سے نکل گیا تھا۔ سردار عبداللطیف بضد تھے کہ جو خطا محراب سے ہوئی ہے، اس میں کسی طور معافی کی کوئی گنجائش نہیں، لہٰذا جتنی جلدی ہو سکے محراب کی سزا پر عمل کیا جائے مگر سردار عبدالرحیم زارون کی وجہ سے معاملہ لٹکا رہے تھے۔ مریم بیگم جب بھی ہوش میں آتیں، باری باری دونوں سرداروں کے پاؤں پکڑ کر ان سے اپنی بیٹی کی زندگی کی بھیک مانگتیں مگر وہاں ان کی التجائیں کوئی اثر دکھانے والی نہیں تھیں۔

محراب عبدالکریم کو رعایت دینے کا مطلب تھا حویلی کی دیگر لڑکیوں کو غلط راستے پر آگے بڑھنے کا حوصلہ دینا اور یہ وہ کسی صورت گوارا نہیں کر سکتے تھے، تب ہی سردار عبدالرحیم نے زارون پر واضح کر دیا تھا کہ وہ جلد از جلد حویلی پہنچے تاکہ محراب کو دی جانے والی سزا پر عمل کیا جا سکے۔ زارون نے ہامی بھر لی تھی اور اب وہ حویلی میں موجود تھا۔ پتھر کی مورت بنی محراب کو مریم بیگم نے جی بھر کر پیٹا، اگر زینب بیگم نہ سنبھالتیں تو شاید وہ اس کی جان ہی لے لیتیں۔ بیٹی کی بے گناہی کا یقین ہونے کے باوجود انہیں اس پر غصہ تھا کہ وہ ان کے منع کرنے کے باوجود مدرسے کیوں گئی، اگر وہ ان کے حکم پر مدرسے جانا چھوڑ دیتی تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

زارون سردار عبدالرحیم اور عبداللطیف کے ساتھ بیٹھا تھا۔ سردار عبداللطیف کہہ رہے تھے۔

"اس لڑکی نے اپنی بہن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پورے علاقے میں ہماری عزت خاک میں ملا دی ہے۔ میرا اور میرے بیٹے کا ظرف تھا کہ اس کی بہن کا گناہ بھلا کر ہم نے اسے عزت دی، نام دیا مگر اس نے کیا کیا، ہمیں ہی اپنے انتقام کی زد پر رکھ لیا۔ خط پڑھو اس کا، کیسے باغیانہ خیالات ہیں اس لونڈی کے اپنے ہی بزرگوں کے خلاف، آج اسے معافی دینے کا مطلب ہے حویلی کی روایات کے

خلاف جانا، نئی آنے والی پیڑھی کے لیے خود برائی کی راہ ہموار کرنا اور ایسا میں کسی صورت نہیں ہونے دوں گا۔" ان کے بیٹے کا دل ٹوٹا تھا لہٰذا ان کا غصہ جائز تھا۔

زارون نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"میں مانتا ہوں چاچا سائیں کہ آپ کی ہر بات بالکل درست ہے مگر یہ بھی تو دیکھیں مریم چچی کس حال میں ہیں۔ ابھی سات ماہ پہلے ان کی ایک جواں سالہ بیٹی اسی حویلی میں کاروکاری ہوئی ہے، وہ کیسے یہ صدمہ برداشت کریں گی؟"

"جیسے بھی کرے، ہمیں پروا نہیں ہے۔ اپنی بیٹیوں کی پرورش میں جو کوتاہی اس سے ہوئی ہے اس کی سزا اسے ملنی چاہیے۔"

"نہیں چاچا سائیں..... ان کی ساری زندگی ہمارے سامنے ہے۔ اپنی بیٹیوں کی پرورش میں ان سے کہیں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ یقیناً معاملہ کچھ اور ہے، میں محراب کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں وہ ایسی لڑکی نہیں ہے، پلیز مجھے اپنے طور پر اس معاملے کو دیکھنے دیں، یہ نہ ہو روز قیامت عبدالکریم چاچا ہمارا گریبان پکڑ کر کھڑے ہوں۔"

"زارون کی بات میں وزن ہے عبداللطیف....."

"وزن ہو نہ ہو، میں اس سے متفق نہیں ہوں..... سارا علاقہ ہم پر تھو تھو کر رہا ہے کہ ہماری حویلی کی لڑکیاں ایسی ہیں، خط نہیں پڑھا آپ نے اس کا، پیچھے کیا رہ جاتا ہے؟ اور پھر عباد طلاق دے چکا ہے، کون اپنائے گا اب اسے؟ ساری زندگی کالک کا نشان بن کر ہمارے سینے پر مونگ دلتی رہے گی۔"

بیٹے کی طرف داری کرنے پر سردار عبداللطیف نے سردار عبدالرحیم سے پہلی بار اختلاف کیا تھا۔ تب ہی زارون بولا۔

"اس نے چاہے جو بھی لکھا ہو، مگر میں سردار عبدالرحیم کا بیٹا ہوں، میرا دل اور ظرف بہت بڑا ہے، کوئی کرے نہ کرے، میں شادی کروں گا اس سے، دل کی پوری رضامندی کے ساتھ۔"

کوئی بم تھا جو اس نے وہاں پھوڑا تھا، دونوں سردار ہکا بکا اس کا منہ دیکھتے رہ گئے تھے۔

''تم ہوش میں تو ہو زارون؟''

''ہوش میں ہوں، اسی لیے یہ بات کر رہا ہوں بابا..... وہ اس حویلی کی بیٹی ہے، ہماری عزت ہے۔ آج جو لوگ ہم پر انگلیاں اٹھا رہے ہیں، کل اس شادی کے بعد منہ چھپاتے پھریں گے۔ اس حویلی میں، میں مزید کوئی نئی قبر نہیں دیکھنا چاہتا بابا..... مجھے وہ قبول ہے کیونکہ میں بچپن سے سچے دل کے ساتھ اسے پسند کرتا ہوں، میں مریم چچی کو بے موت مرتے نہیں دیکھ سکتا پلیز۔'' اپنی پلاننگ کے عین مطابق اس نے ترپ کا آخری پتا پھینک دیا تھا۔ مراد ن خانے میں خاموشی چھا گئی تھی، گہرے سناٹے میں لپٹی خوف ناک خاموشی۔

ناول وہ جو عشق تھا کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 5 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

منعم ملک کا بہت خوبصورت نیا ناول

نمکین پانیوں کا سفر

ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں

kitaabghar.com

گل ارباب کا بہت خوبصورت نیا ناول

عشق جادوانی

ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں

kitaabghar.com